بی بی مُبارکہ اور پختون-مغل تعلقات

ڈاکٹر حمایت اللہ یعقوبی*

اختر رسول بودلہ**

Abstract

Mughals and Pakhtuns have been the traditional rival of each others in South Asia. They fought incessent wars, made alliances and upset each others' designs to grap political supermacy in India and Kabul. When Zahir-ud-Din Babur captured Kabul in 1504 he suppressed most of the Pakhtun tribes. However, in relations with the Yousafzai, a leading Pakhtun tribe, he preferred diplomacy and friendship. He married Bibi Mubaraka, daughter of Malak Shah Mansoor, an influencial malak of the tribe. The present article discusses different dynamics of this relationship and explor its various paradiagms. It investigates the relations between the Yousafzais and Babur and look into the matter focusing on the geo-political situation, tribal jealosies and weaknesses of both the sides. Babur's interest in Bibi Mubaraka has been discussed to properly understand its political effects upon the frontier areas.

---

* ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔ مصنف تاریخ میں قائداعظم یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی ہیں۔ ان کی ایک کتاب انگریزی زبان میں شائع ہو چکی ہے جس کا عنوان Mughal Afghan Relations in South Asia: History and Development ہے۔

** ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، قائداعظم یونیورسٹی،اسلام آباد۔ پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ تاریخ، قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

تاریخی پس منظر

ظہیر الدین بابر نے۱۵۰۴ میں جب کابل پر قبضہ کیا تو اسی دوران موجودہ افغانستان، قبائلی علاقوں،پشاور، مردان، سوات، صوابی، باجوڑ اور آس پاس کے علاقوں میں مختلف پختون قبائل ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار تھے۔ ہر طرف ہنگامہ آرائی ہو رہی تھی۔ سیاسی بالا دستی اور معاشی مفادات کیلئے قبائل ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما تھے۔ ان میں سب سے مضبوط ابھرتی ہوئی سیاسی،عسکری اور معاشی قوت یوسف زئی اور ان کے اتحادی قبائل کی تھی جس کو اس وقت کے سیاسی تناظر میں موجودہ پاکستان کے پختونوں کی سرزمین پر پہلا قبائلی اتحاد کہا جا سکتا ہے۔ جس نے موجودہ ڈیورنڈ لائن کے مشرق کی طرف بسنے والے پختونوں کو ایک لڑی میں پرونے کیلئے ایک زبردست قوت فراہم کی تھی۔

سولھویں صدی کے شروع ہوتے ہی یوسف زئی اور اتحادی قبائل آہستہ آہستہ دوآبہ (موجودہ ضلع چارسدہ) سے نکل کر مردان، صوابی اور ملاکنڈ کے اطراف میں پاؤں پھیلا رہے تھے۔ اس سیاسی تناظر کو سامنے رکھ کر یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ یوسف زئی اور اس کے اتحادی قبائل کابل کے سیاسی منظر نامے سے غائب ہونے کے بعد موجودہ خیبر پختونخواہ کے میدانی علاقوں بشمول ملاکنڈ، سوات اور باجوڑ میں ملک احمد خان کی قیادت میں ایک الگ انتظامی مشینری بنانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ دوسری طرف ظہیرالدین بابر کو افغانستان کے تحت کابل کو مستحکم کرنے کا موقع ملا۔ مغل جو مرزا الغ بیگ کے آخری ایام میں بہت کمزور ہو چکے تھے، بابر کی سرکردگی میں دوبارہ سے ایک مضبوط ریاستی مشینری کے مالک بن گئے۔ کابل پر قبضہ کرتے ہی بابر کا ستارہ عروج چمکنے لگا۔ افغانستان کے تقریباً سبھی افغان قبائل ان کے مطیع بن گئے اور فتح و کامرانی ان کے قدم چومنے لگی۔ کابل، غزنی، قندھار اور آس پاس کے علاقوں میں استحکام لانے کے بعد بابر نے ہندوستان فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے بارے میں ہمیں اہم بنیادی معلومات بابر کی خود نوشت سوانح حیات *تزک بابری* یا *بابر نامہ* میں ملتی ہیں۔ ہندوستان زیر کرنے کے بارے میں وہ یوں رقم طراز ہیں:

> As it was always in my heart to possess Hindustan, and as these several countries, Bhera, Khushab, Chenab and Chiniot, had once been held by the Turks, I pictured them as my own and was resolved to get them into my hands whether peacefully or by force.[1]

ابتداء میں ان کو لگ رہا تھا کہ بڑی آسانی سے وہ پختون قبائل زیر کر کے ہندوستان داخل ہو جائے گا، لیکن جب عملی مہمات شروع کیں تو اسے بہت جلد یہ اندازہ ہوا کہ اس کا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑا ہے جو بہادری اور جواں مردی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ لیکن یہ قبائل حیران کن حد تک غیر منظّم اور اپنی مخصوص قبائلی نظام کے اندر جکڑے ہوئے تھے۔ اکثر اوقات یہ قبائل ایک دوسرے کو زیر کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ غیر پختون سپہ سالاروں اور مغل حکم رانوں کے ساتھ اپنے بھائیوں اور قبائل سرداروں کے خلاف ساز باز میں بھی شریک رہے تھے۔ یہی حکمت عملی بابر نے آتے ہی ان قبائل کو زیر کرنے کیلئے آزمانا شروع کی۔ بابر پہلی بار کابل سے ہندوستان کیلئے جا رہا تھا۔ ننگرہار داخل ہوتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ یہاں بہت سارے قبائل آباد ہیں۔ وہ جب سرحدی علاقوں سے آ رہا تھا تو کچھ افغان قبائل اس کی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ بابر لمغان کے راستے درہ خیبر سے ہوتے ہوئے جمرود میں وارد ہوا تھا۔[2] یہ پختون قبائل کابل سے شروع ہو کر شمال مغربی سرحد کے اطراف میں دریائے سندھ اور اٹک تک پھیلے ہوئے تھے۔ اسی تناظر میں اس نے وقتی طور پر ہندوستان پر حملہ کا ارادہ ملتوی کر کے پہلے سرحدی قبائل سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کیا۔[3] یعنی جو ہمیشہ دو جغرافیائی اکائیوں میں تقسیم ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ ایک اکائی ان پختون قبائل کی ہے جو موجودہ ڈیورنڈ لائن کے مغرب کی طرف افغانستان میں کابل تک مقیم ہیں۔ دوسری اکائی ڈیورنڈ لائن کی مشرق کی طرف بسنے والے پختونوں کی ہے۔ بابر نے کابل پر قبضہ کرتے ہی کابل اور اس کے اطراف میں پختون قبائل کو زیر کیا لیکن مشرق کی طرف رہنے والے پختون اس کے زیرِ اثر سے باہر تھے۔

یوسف زئی اور بابر

اس پورے سفر میں بابر کا سامنا ایسے بہت سے قبائل سے ہوا۔ اس کو بہت قریب سے یہ دیکھنے کا موقع ملا کہ ان کی اجتماعی قوت اور ساخت میں کیا خوبیاں اور خامیاں ہیں۔ بابر نے نہ صرف ان کی ثقافت کا باریک بینی سے جائزہ لیا بلکہ جغرافیائی خدوخال اور ممکنہ لشکری قوت کو ہر زاویئے سے پرکھا تھا۔ اردگرد کے سیاسی حالات اور قبائل کی اندرونی ساخت، چپقلشوں، جغرافیائی، فوجی، دفاعی اور معاشی خدوخال کو دیکھ کر بابر کو بہت جلد یہ اندازہ ہو گیا کہ مشرق کی طرف رہنے والے لوگوں میں یوسف زئی اور اس کا قبائلی اتحاد ہی ایک اہم سرحدی قوت ہے جو اس کی متوقع ہندوستان کی مہم میں مشکل ڈال سکتی ہے۔ علاوہ اس کے وہ ملک احمد خان کی شہرت، پشاور کے میدانی اور سوات و ملاکنڈ کی پہاڑی علاقوں میں اس کی بڑھتی ہوئی طاقت اور سیاسی بصیرت سے خائف ہو گیا تھا۔ وہ اس اہم تاریخی واقعے سے بھی واقف تھا کہ کس طرح کچھ عرصہ پہلے مرزا الغ بیگ جو بابر کا سگا چچا تھا، نے ۱۵۰۰ کے قریب یوسف زئی سرداروں کو کابل میں قتل کیا تھا جس کی وجہ سے باقی ماندہ قبیلے نے پشاور کی طرف بے سروسامانی اور انتہائی کسمپرسی کی حالت میں ہجرت کی تھی۔ بہر حال اس کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر بابر نے ملک احمد کو اپنے دربار میں حاضر ہونے کی دعوت دی۔[۴]

ملک احمد خان کو دربار میں حاضری کیلئے دعوت دوستانہ انداز میں ایک دھمکی بھی تھی۔ اس دعوت کا مطلب واضح تھا کہ میرے دربار میں حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لو۔ ملک احمد خان پہلی مرتبہ تو خود کابل جا کر دربار میں حاضر ہوا تھا لیکن دوسری مرتبہ بجائے خود جانے کے اپنے ایک عزیز ملک شاہ منصور کو بھیج دیا۔ اطاعت قبول کرنے کے علاوہ اس میں ایک سیاسی مصلحت یہ بھی تھی کہ کس طرح بابر کو یوسف زئی کے علاقوں پر چڑھائی کرنے سے روکنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ملک احمد خان بابر کے ہاتھوں اردگرد کے علاقوں میں تباہی و بربادی کے واقعات سے واقف تھا۔ مثال کے طور پر دسمبر ۱۵۱۹ء میں باجوڑ پر حملہ کرنے سے پہلے بابر نے ایک دلہ زاک سردار کو حیدر علی کے پاس بھیج دیا اور اسے اطاعت قبول

کرنے کا کہا۔ لیکن سلطان حیدر علی نے انکار کیا جس پر بابر نے باجوڑ قلعہ پر یلغار کی اور قتل و غارت گری کے بعد وہاں پر ایک کلہ مینار بنایا تھا۔ اسی دوران میں ملک شاہ منصور بھی ان کے ساتھ تھا۔ فتح باجوڑ کے بعد شاہ منصور کو کچھ تحائف کے ساتھ واپس اپنے علاقے میں بھیج دیا گیا۔۵

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک احمد خان اور ملک شاہ منصور نے بابر کے دربار میں حاضر ہو کر کچھ مصلحت کی خاطر ان کی اطاعت کو قبول کیا تھا۔ لیکن خراج یا ٹیکس دینے کیلئے وہ تیار نہ تھے۔ پہلے تو ان کو ڈرانے دھمکانے کیلئے اس نے سوات کے نزدیک باجوڑ میں سلطان حیدر علی گبری کے خلاف خود آپریشن کیا، بہت سارے گبریوں کو قتل کیا اور ایک ڈر اور خوف کا ماحول پیدا کیا تھا۔ ملک احمد خان اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ بابر کا اگلا نشانہ یوسف زئی اور ان کے اتحادی قبائل ہوں گے۔ اور باجوڑ کی تسخیر کے وقت ملک شاہ منصور کو ساتھ رکھنے کا ممکنہ مقصد بھی یہی تھا کہ یوسفزئیوں کے دلوں میں خوف پیدا کیا جائے تا کہ وہ اطاعت پر آمادہ ہو جائے۔ بابر کے حملے کی وجہ سے پورے علاقے میں غیر یقینی صورت حال پیدا ہو گئی تھی ان حالات کے پیش نظر ملک احمد خان نے اہم جگہوں، شاہراہوں اور درّوں پر اپنے سپاہی تعینات کئے تھے۔ انیتی ایس بیوریج *بابر نامہ* کے انگریزی ترجمہ کے آخر میں (An Afghan Legend) میں لکھتی ہے کہ بابر نے جب تختِ کابل پر قبضہ کیا تو وہ یوسف زئی کے ساتھ دوستی بنانا چاہتا تھا، لیکن دلہ زاک پختون سرداروں نے ان کے کان یوسف زئی کے خلاف بھر دیئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ بابر ملک احمد خان کو قتل کرے۔ اس مقصد کیلئے ان دلہ زاک سرداروں نے بابر کو 70,000 شاہ رُخی (روپیہ) دینے کا وعدہ بھی کیا تھا۔٦

پختون محققین نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ باجوڑ کی تسخیر کے بعد یوسف زئی قبیلے کاایک جرگہ ملک شاہ منصور ابن ملک سلیمان شاہ کی سربراہی میں بابر کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ بابر خود اپنی سوانح حیات میں لکھتا ہے کہ ملک شاہ منصور فتح باجوڑ کے وقت ان کے دربار میں حاضر ہوئے تھے۔ یہ ایک قسم کا مصالحتی جرگہ تھا جس میں موجود یوسف زئی

سرداران نے بابر کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ بابر چونکہ یوسف زئی کی سیاسی اور فوجی قوت اور دوسرے اتحادی قبائل مثلاً محمد زئی، مہمند، جدون، خلیل وغیرہ کی طاقت اور شجاعت سے واقف تھا، اس لیے اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ صلح و صفائی سے یوسف زئی کے ساتھ باہمی تعلقات کو تقویت دینا بہتر ہے۔ اس باہمی دوستی کو رشتہ داری میں تبدیل کر کے بابر چاہتا تھا کہ کسی طریقے سے یوسف زئی کو اپنا حلیف بنایا جائے۔[7]

بابر اور بی بی مبارکہ کی شادی

اسی اثنا بابر نے دوبارہ ملک احمد خان سے ملنے کیلئے آدمی بھیجے، لیکن اس نے ملاقات سے صاف انکار کیا۔ پھر یوسف زئیوں کی فوجی طاقت اور ان کے مسکن سوات کے جغرافیائی خدوخال کو دیکھ کر اس کو معلوم ہوا کہ ان پیچیدہ پہاڑی دروں میں یوسف زئی کے کے خلاف لشکر کشی خلافِ عقل کام ہو گا آخر کار اس نے فیصلہ کیا کہ اس قبیلہ کو کسی بھی طرح سے اپنا ہم نوا اور دوست بنایا جائے کیونکہ بغیر جنگ اور فتح کے واپس چلے جانا شکست کے برابر تھا۔ لہٰذا رشتہ داری کی غرض سے سلسلہ چلانے کا آغاز کیا اور کافی منت سماجت کے بعد بی بی مبارکہ سے ان کا نکاح ہوا۔[8]

تواریخ حافظ رحمت خانی میں اس شادی کے حوالے سے ایک اور روایت بیان کی گئی ہے، جس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بابر بی بی مُبارکہ سے بہت محبت کرتا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے قبیلے کے سرداروں سے ان کا ہاتھ مانگ لیا تھا۔ کیونکہ اس وقت بابر کیلئے یوسف زئی کو شکست دینا اتنی مشکل مہم نہیں تھی۔ ان کے مطابق جب بابر نے ایک مرتبہ یوسف زئی علاقے پر حملہ کیا تو کاٹلنگ کے مقام پر ایک قلعے کے قریب پہاڑی پر یوسف زئی اور مغل فوجوں کے مابین خونریز لڑائی ہوئی۔ یہ قلعہ بہت مضبوط تھا اور بابر کی افواج کے پے درپے حملوں کے باوجود تسخیر نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے بعد بابر خود حالات کا جائزہ لینے کی غرض سے ایک فقیر کے بھیس میں یوسف زئی علاقے میں داخل ہوا اور چلتے چلتے ملک شاہ

منصور کے خیمے تک پہنچ گیا۔ یہ چونکہ بقر عید کا موقع تھا اور بہت سارے لوگ عید کی مبارکبادی کیلئے ان کے خیمے کے آس پاس موجود تھے۔ بابر نے فقیروں کا حلیہ بنایا تھا اور یہ بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک کونے میں جا کر بیٹھ گیا اور فقیروں والی صدا لگائی۔ اسی اثناء میں بی بی مبارکہ نے ان کو روٹی اور گوشت کا سالن لا کر پیش کیا۔ بابر نے اس کے حسن و جمال کو دیکھا تو اس پر عاشق ہوا اور دل دے بیٹھا۔ اس کے بعد بابر نے خود اپنے سرداروں کو بھیج کر یوسف زئی کے ساتھ رشتہ داری کے لیے ہاتھ بڑھایا۔۹ اس کے متعلق محمد شفیع صابر لکھتے ہیں کہ اس سے قبل بابر کا چچا مرزا الغ بیگ اور دوسرے مغل سردار بھی یوسف زئی لڑکیوں سے شادیاں کر چکے تھے۔ اس لیے قبیلے کے جرگے نے حتمی طور پر اس شادی کی اجازت دے دی اور قبیلے کو بابر کے ہاتھوں ممکنہ شکست اور تباہی سے نجات مل گئی۔۱۰

کہتے ہیں کہ جب بابر نے ملک احمد اور ملک شاہ منصور کے نام بی بی مبارکہ کے رشتے کا پیغام بھیجا تو دونوں اس رشتہ پر آمادہ نہ ہوئے اور صاف انکار کیا تھا۔ بعد میں جب پورے قبیلے کا جرگہ بلایا گیا تو شیخ ملی، ملک قرہ اور دوسرے بڑے سرداروں نے رائے دی کہ بادشاہوں کے ساتھ ضد اور دشمنی مناسب نہیں۔بابر کو آپ کی شان و شوکت اچھی طرح معلوم ہے اور وہ آپ کی قدر کرتا ہے۔ دوسرا یہ کہ آپ قوم کے سربراہ ہیں اور قوم کی خیر و بھلائی کے آپ ہی ذمہ دار ہیں۔ انکار کی صورت میں ممکن ہے کہ پورا قبیلہ دوبارہ کسی نئی مصیبت میں پھنس جائے گا۔ آخر میں ان دونوں نے جرگے کی بات مان لی اور بابر کے ساتھ دوستی اور بی بی مبارکہ کا رشتہ دینے پر راضی ہوئے۔۱۱

بابر نامہ کے بیان کے مطابق ۲۱ جنوری ۱۵۱۹ء کو بابر نے سوات پر حملہ کرنے کی غرض سے دریائے پنجکوڑہ اور جندول کے درمیانی علاقے میں پڑاؤ ڈال دیا۔ ملک شاہ منصور یوسف زئی اس کے ساتھ تھا اور وہ بابر کیلئے نشہ آور ماجون لے کر گیا تھا۔ جس کو کھانے کے بعد بابر پر اتنا اثر ہوا کہ شام کے وقت اپنے امراء کے ساتھ ملنے سے قاصر رہا۔ وہ لکھتا ہے کہ یوسف زئی کو دوست بنانے کی غرض سے میں نے اپنے خیر خواہ شاہ منصور بن

سلیمان شاہ کی بیٹی کا ہاتھ مانگ لیا، جو اس وقت اپنے قبیلے کے نمائندے کے طور پر میرے ساتھ ملنے کے لیے آیا تھا۔ ۳۰ جنوری کو شاہ منصور کو چھوٹے بھائی طاؤس خان اپنی بھتیجی کی بارات لے کر ہمارے کیمپ میں لے کر آئے تھے۔۱۲

بابر اور بی بی مبارکہ کی شادی ۲۷ جنوری ۱۵۱۹ء میں ہوئی۔ ملک شاہ منصور کے چھوٹے بھائی طاؤس خان نے دلہن کے وکیل کے فرائض انجام دیئے۔۱۰ گلبدن بیگم نے اپنی کتاب *ہمایوں نامہ* میں لکھا ہے کہ یہ شادی ۳۰ جنوری ۱۵۱۹ء میں ہوئی۔ طاؤس خان نے بی بی مبارکہ کی بارات اور یوسف زئی جہیز لے کر بابر کے خیمے تک پہنچا دیا تھا۔۱۳

بی بی مبارکہ کے ساتھ شادی کے متعلق بابر اپنے سوانح حیات میں لکھتا ہے:

> یوسف زئی قوم کی بہتری کی خاطر میں نے اپنے خیر خواہ ملک شاہ منصور کی بیٹی کا ہاتھ مانگ لیا تھا۔ ملک شاہ منصور اپنی قوم کی طرف سے ایک وکیل کے طور پر آیا ہوا تھا۔ ہم ابھی تک وہاں پر مقیم رہے۔ بعد میں یہ خبر پہنچ گئی کہ یوسف زئی بارات لے کر آنے والے ہیں ------ طاؤس خان نے اپنی بھتیجی کو باجوڑ کے قلعہ میں پہنچا دیا۔۱۴

ایچ جی راورٹی(H.G. Raverty) کے خیال میں بابر نے جب ۱۵۱۹ والی مہم میں سلطان حیدر علی کو شکست دے کر سوات پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو دریائے پنجکوڑہ کو عبور کر کے دریارون میں پڑاؤ ڈال دیا۔ جس درے سے بابر سوات میں داخل ہوا تھا اسے آج کل لوگ بابر غشی کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ جگہ کاٹگلہ سے شمال کی طرف پڑتی ہے۔ وہاں سے بابر منگلور میں داخل ہوا اور حسن ڈھیری کے مقام پر دریائے سوات عبور کر کے کچھ دیر کیلئے رکا۔ لیکن منگلور کا قلعہ بہت سخت تھا اور ایک بڑی فوج کے بغیر اس کا قبضہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ مجبوراً بابر واپس کاٹگلہ درہ سے ہوتاہوا دریارون میں اپنی فوج سے جا ملا۔ اسی دوران میں بابر نے ملک شاہ منصور سے بی بی مبارکہ کا رشتہ مانگ لیا۔۱۵

بی بی مبارکہ کی بارات یوسف زئی جہیز کے ساتھ (سمہ) میدانی علاقے میں موراہ سے ہوتی ہوئی سوات میں داخل ہوئی۔ بارات چکدرہ، اُچ، کاٹگلہ اور تالاش سے آگے جب ترائی درے میں پہنچ گیا تو وہاں پر مغل فوج کا دستہ ان کے استقبال کیلئے پہلے سے موجود تھا۔ بی بی مبارکہ کی ڈولی کو ان کے حوالے کرنے کے بعد یوسف زئی کے آدمی واپس

اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے۔۱۶

شادی کے بعد بی بی مبارکہ اپنے خیمے میں بیٹھی رہی۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور جب بابر جمعے کی نماز سے فارغ ہوا تو شاہی خیمے میں جا کر بی بی مبارکہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ بابر کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بابر ان کی خوبصورتی دیکھ کر دنگ رہ گیا اس نے بی بی مبارکہ سے کہا: ''میری پختون بی بی! میرے ساتھ بیٹھ جاؤ''۔ اس نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا کر کہا کہ اگر اجازت ہو تو ایک عرض کردوں۔ اجازت ملنے کے بعد بی بی مبارکہ نے بابر سے پورے قبیلے کیلئے امن اور صلح مانگ لی۔ جس کے جواب میں بابر نے کہا کہ میں نے پورے یوسف زئی قبیلے کے قصور معاف کیے اور ان پر کوئی تعرض نہیں کروں گا۔۱۷

اس گفتگو کے متعلق تقریباً سبھی مغل تاریخی مسودے خاموش ہیں۔ لیکن یوسف زئی تاریخی کتب تواتر سے اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔ کچھ محققین اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ سارے حقائق سینہ بہ سینہ چلے آ رہے ہیں اور یہ کہ یہ پوری داستان زبانی تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ اس رشتہ کے بعد بابر کے ساتھ ملک شاہ منصور کے تعلقات اور بھی مضبوط ہو گئے۔ جب تک بابر انہی علاقوں میں قبائل کے ساتھ برسرِ پیکار رہا تو بی بی مبارکہ باجوڑ کے قلعے میں مقیم رہی تھی۔ ۱۵۲۶ء میں جب بابر ہندوستان فتح کر کے وہاں مختلف حکم رانوں کے خلاف معرکوں میں مصروف ہو گیا تو بی بی مبارکہ کو بھی دہلی بلایا۔ ۱۵۳۰ء میں بابر کی موت کے بعد بھی وہ اس طرح صاحبِ عزت و وقار رہی بلکہ ہمایوں کے دور میں اور زیادہ معظم اور محترم ہو گئی۔ وہ اپنی خوبیوں اور عقل و فراست کی وجہ سے مغل ملکاؤں میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ روشن خان لکھتا ہے کہ اکبر بادشاہ کے عہد میں اس کے بھائی میر جمال اور اس کے بیٹے اور پوتے حسبِ دستور بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ جاگیر اور منصب کے مالک بن گئے یہاں تک کہ بادشاہ جہانگیر کے دور میں بھی اس کے دو پوتے مغل دربار میں صاحب عظمت اور مؤقر تھے۔ میر جمال اور بی بی مبارکہ دونوں عہدِ اکبری میں وفات پا گئے تھے۔۱۸

بابر بادشاہ کی بی بی مبارکہ سے شادی کی جو بھی وجوہات تھیں، ایک بات اظہر من الشّمس ہے کہ وہ اپنی یوسف زئی ملکہ سے بہت محبت کرتا تھا۔ ۱۵۱۹ء میں جب وہ دوسری مرتبہ کابل سے نکل کر سرحدی قبائل کی طرف متوجہ ہوا تو خیبر پہنچ کر اس نے باجوڑ قلعے کے قلعہ دار خواجہ کلاں کو خط لکھ کر اپنی آمد سے آگاہ کیا۔ اس خط کو اس نے سلطان آف تیراہ کے ہاتھوں بھجوایا۔ بابر لکھتا ہے کہ میں نے خط کے ایک کونے پر یہ شعر لکھا:

Say sweetly O breeze, to that beautiful fawn,
thou hast given my head to the hills and the wild.

یہ شعر حافظ شیرازی کے دیوان کا ہے اور اس کو بی بی مبارکہ کیلئے لکھا گیا تھا جو اس وقت تک خواجہ کلاں کے ساتھ باجوڑ قلعے میں مقیم تھیں۔ ایس بیوریج کے بقول بابر نے یہ شعر بی بی مُبارکہ سے بہت محبت میں لکھا تھا۔[۱۹]

عبدالرحیم بختانی اپنی پشتو تصنیف *بابر او پښتانه* میں لکھتا ہے کہ بابر کا اپنی پہلی بیوی شہزادی عائشہ سلطان کے ساتھ اتنا لگاؤ نہیں تھا۔ اسی طرح عائشہ سلطان بھی بابر کے ساتھ خوش نہیں تھی اور دونوں میں ازدواجی تعلق رسمی حد تک تھا۔ بابر مہینوں حرم نہیں جاتے تھے۔ اس کے برعکس بابر کے دل میں بی بی مبارکہ کیلئے بہت عزت اور محبت تھی۔ اس نے بی بی مبارکہ کو ایک وفادار بیوی کے طور پر یاد کیا ہے۔[۲۰]

بی بی مبارکہ ہی کی وجہ سے بابر اس قابل ہوا کہ وہ پختون رسم و رواج طور طریقوں، ان کے بود و باش اور علاقوں سے واقف ہو جائے۔ بابر نے اپنی سوانح حیات میں موجودہ پختونخوا کے متعلق جو باتیں لکھی ہیں یا تاریخی اور مشہور جگہوں کے جو نام بیان کیے ہیں وہ جغرافیائی اور تاریخی لحاظ سے بالکل درست ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ساری معلومات ان کو بی بی مبارکہ نے دی ہو کیونکہ پختون علاقوں کے جو نام بابر نے دیئے ہے وہ مقامی سطح پر اب بھی مروّجہ ہیں۔

زمان و مکان اور اس دور کے سیاسی حالات و واقعات کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ باوجود اس کے کہ بابر نے بہت سارے پختون قبائل کو یا تو تلوار کی طاقت سے زیر کیا اور یا یہ قبائل اپنی مرضی اور کچھ مخصوص سیاسی اور معاشی مفادات کی وجہ

سے ان کی فوج میں شامل ہوئے تھے۔ لیکن اس رشتہ کے قائم ہونے کے بعد بھی موجودہ پختونخوا کے پورے علاقے میں ملک احمد خان کی سرکردگی میں Tribal Confederacyجو بنی تھی ان کی فوجی طاقت اور تنظیم ہر وقت بابر کی نظر میں کھٹکتی تھی۔ لیکن بی بی مبارکہ سے شادی کے بعد اس نے اس قبیلے کو تنگ کیا اور نہ ہی ان کی فوجی طاقت ختم یا کمزور کرنے کی کوشش کی۔ یہ اس بات پہ دلالت کرتی ہے کہ بی بی مبارکہ بابر پر بہت حد تک اثر انداز ہو چکی تھی۔ کچھ مصنفین کے مطابق بی بی مبارکہ شادی کے بعد بھی یوسف زئی علاقے یا قلعہ باجوڑ میں مقیم تھیں۔ اسی حوالے سے محمد شفیع صابر لکھتے ہیں کہ غا ختئی کنڈاؤ سے چند میل دور بادسمور کی بستی کے پاس ایک قبر ہے۔ مقامی لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ بی بی مبارکہ کی قبر ہے۔[۲۱]

لیکن اس بات میں کوئی صداقت نہیں کیونکہ یہ بات مغل اور مقامی تاریخی کتابوں میں واضح طور پر درج ہے کہ بی بی مبارکہ نے اپنی بقیہ زندگی آگرہ اور دہلی کے محلات میں گزاری ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب تک بابر سرحدی قبائل اور کابل کے معاملات میں مصروف تھا تو بی بی مُبارکہ باجوڑ کے قلعے میں رہتی تھی۔

پختون قبائلی اور سیاسی چپقلش

اس رشتہ داری کو قائم کرنے میں سب سے بڑا کردار شیخ ملی نے ادا کیا تھا۔ وہ ملک احمد کے بچپن کے دوست تھے۔ دونوں نے زندگی کے اچھے بُرے دن اکٹھے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ اہم معاملات میں ایک دوسرے سے مشاورت کرتے تھے۔ اس اہم مسئلے میں شیخ ملی نے ان کو بی بی مبارکہ کا رشتہ دینے کا مشورہ دیا تھا۔ ان کو قبیلے کے اجتماعی مفاد کی فکر تھی، کیونکہ تازہ تازہ وہ میدانی علاقوں کے ساتھ ملاکنڈ اور سوات کے ملحقہ قصبوں میں ایک انتظامی مشینری کے مالک بن چکے تھے، وہ بالکل یہ نہیں چاہتے تھے کہ بابر سب کچھ اجاڑ کر پورے قبیلے کو تاراج کرے۔

اس کے سامنے بابر کے وہ ظلم و ستم جو اس نے دوسرے سرحدی قبائل پہ ڈھائے

تھے نظر آ رہے تھے۔ وہ بہر حال اپنے لوگوں کو اس کے قتل عام سے بچانا چاہتا تھا۔ لیکن اس وقت تک بابر نے سوائے ملک احمد اور ملک شاہ منصور کو اپنے دربا میں بلائے جانے کے علاوہ یوسف زئی پر تعرض نہیں کیا تھا۔ البتہ ایک قسم کا خوف پھیلانے اور جنگ کا سا ماحول پیدا کرنے کی غرض سے وہ کئی مرتبہ آس پاس کے علاقوں پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ لیکن براہ راست یوسف زئی کی اپنی علاقوں میں خود مختاری کو نہیں چھیڑا تھا۔ شیخ ملی اپنے دفتر اور بندوبست کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتا تھا تاکہ پورے قبیلے کے مفاد کو کسی نہ کسی طریقے سے بچایا جا سکے۔

ملک احمد خان کیلئے دوسرے مسائل بھی تھے جن کی نوعیت بھی قبیلے کیلئے بہت خطرناک تھی۔ دلہ زاک اور گگیانیوں کے علاوہ ریاست سوات کے سابقہ حکم ران سلطان اویس بھی بابر کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ وہ بھی اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ بابر کو یوسف زئی کے خلاف لشکر کشی پر آمادہ اور سوات سے اس کو بے دخل کر کے اپنی ریاست پر دوبارہ سے اقتدار حاصل کرے۔ اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اس نے بہت پہلے ہی سے بابر کے ساتھ تعلقات استوار کیے تھے۔ یقیناً بابر کے دربار میں ان کی موجودگی ملک احمد کیلئے خطرے کی علامت تھی۔[۲۲]

یوسف زئی سرداروں کے سامنے ایک بڑا مسئلہ یہ بھی تھا کہ ان کے بہت سارے حریف پختون قبائل بہت پہلے بابر کے ساتھ مل گئے تھے اور مغل فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ ان قبائل میں گگیانی اور دلہ زاک قابل ذکر ہیں۔ *بابر نامہ* کے مطابق بابر کی فوج میں گگیانی سب سے پہلے شامل ہوئے تھے۔ بابر کی پہلی مرتبہ سرحدی علاقوں میں آمد کے وقت ۱۵۰۵ء میں ایک گگیانی سردار ان کا گائیڈ تھا۔[۲۳] عبدالرحیم بختانی لکھتا ہے کہ بابر کی پہلے ہندوستانی مہم میں دو گگیانی سرداروں خسرو خان اور یحییٰ خان نے کوہاٹ کے اردگرد کے علاقوں، دروں اور قصبوں کے بارے میں اُن کو اہم معلومات فراہم کیں۔[۲۴]

مندرجہ بالا وجوہات کے ساتھ ساتھ بابر کے ساتھ اس رشتے میں اور بھی بہت سارے عوامل کار فرما تھے جس میں پختون قبائل کی آپس میں چپقلش، سلطان اویس اور

علاؤالدین کے بابر کے ساتھ تعلقات اور سازشیں یوسف زئی سرداروں کو بڑی حد تک اس رشتہ کو قبول کرنے پرآمادہ کر گئے تھے۔ *اکبر نامہ* کے مطابق سلطان علاؤالدین بابر کے دربار میں سلطان اویس کے سفیر کے طور پر حاضر ہوا تھا۔**۲۵**

اس میں سب سے اہم بات اس خطے کی سیاسی اور جغرافیائی صورت حال تھی۔ یوسف زئی سرداروں کیلئے ایک خطرناک سیاسی صورت حال اس وقت پیدا ہوئی تھی جب ان کے مضبوط سیاسی حریف دلہ زاک قبیلہ جن کو ابھی ابھی یوسف زئیوں نے میدانی علاقوں سے بے دخل کیا تھا۔ اس کے سردار تاک میں بیٹھے تھے کہ کس طرح سے اپنے علاقوں پر دوبارہ قابض ہوکر یوسف زئی کو شکست دے دیں۔ گگیانی قبیلہ کابل کے دنوں سے یوسف زئی کا سیاسی حریف رہا تھا۔ سلطان اویس کے ریاست سوات پر کچھ عرصہ پہلے ملک احمد خان کی سرکردگی میں یوسفزئیوں نے قبضہ کیا تھا۔ گو کہ سلطان علاؤالدین، سلطان اویس کا سیاسی حریف تھا لیکن یوسفزئیوں کے ساتھ دشمنی کے معاملے میں وہ ایک صفحے پر تھے۔ یوسف زئیوں کی بے دخلی کا معاملہ ان کیلئے اتنا اہم تھا کہ بابر اپنی سوانح حیات میں لکھتا ہے کہ دلہ زاک سرداروں کے ساتھ ایک دفعہ مشاورت کی گئی کہ کون سے علاقوں میں فوجی لشکر روانہ کیا جائے تا کہ غلہ بھی ہاتھ آ جائے اور علاقے پر بھی قبضہ ہو جائے۔ وہ لوگ (دلہ زاک) سوات پر چڑھائی کے حق میں نہ تھے۔ بلکہ چاہتے تھے کہ میدانی علاقوں میں یوسف زئی اور محمدی افغان (محمد زئی) پر اچانک حملہ کیا جائے۔ فیصلہ یہی ہوا کہ اگلے سال فصل کی کٹائی کے وقت یہ علاقے پہلی فرصت میں لے لیے جائیں۔ اگلے دن ہی بدھ ۹ فروری کو سوات کے سلطان علاؤالدین اور سلطان اویس کو خلعت(Robes) اور گھوڑے عطا کئے گئے اور ان کو جانے کی اجازت دے دی گئی۔**۲٦**

دلہ زاک پہاڑی علاقوں(سوات) کے بجائے میدانی علاقوں میں دلچسپی لے رہے تھے۔ اس کی ایک ظاہری وجہ یہی تھی کہ چونکہ یہ ان کے قبیلے کا پرانہ مسکن تھا اس لیے وہ ان علاقوں میں یوسف زئی اور محمد زئی کی پوزیشن کمزور کرنا چاہتے تھے تا کہ دوبارہ اس پر قابض ہو جائے۔ اس وجہ سے ان لوگوں نے بابر کو سوات کے بجائے میدانی علاقوں پر

چڑھائی کا مشورہ دیا۔بابر بھی اس حقیقت سے واقف تھا کہ ان کی موجودگی اور قربت یوسف زئی سرداروں کو مطیع بنانے کیلئے ضروری ہے۔ ان کے تعاون سے وہ یوسف زئیوں کو بڑی آسانی سے تاراج کر سکتا تھا۔ علاوہ ازیں یوسف زئیوں پر سیاسی اور فوجی دباؤ بڑھانے کیلئے دلہ زاک سرداروں کی موجودگی بابر کے ساتھ ایک اضافی قوت تھی کہ وہ ہر وقت ان کی حرکات پر نظر رکھے اور ایک دوسرے کے خلاف ان کو استعمال کرے۔

ان سیاسی حالات کے پیش نظر یوسف زئی قیادت کیلئے بابر کی دشمنی مول لینا اپنے قبیلے کی تباہی کے برابر تھا۔ لہٰذا اس سیاسی طوفان اور منجدھار سے نکلنے کیلئے قبیلے کے سرکردہ لوگوں نے فیصلہ کیا کہ جب ان کے تقریباً سارے سیاسی اور قبائلی حریف بابر کے ساتھ ملکر ان کے خلاف سازشیں بنانے میں مصروف ہیں ان کے ساتھ ایک ہی ممکنہ option تھا کہ باعزت طریقے سے بابر کے ساتھ رشتہ داری بنا کر ان کی سازشوں کو ناکام کریں اور قبیلے کو ممکنہ تباہی سے بچایا جا سکے۔

مغل ملکاؤں میں بی بی مبارکہ کا مقام و رتبہ

اولف کیرو لکھتا ہے کہ بی بی مبارکہ کسی خاص کردار اور تکریم کے بغیر اکبر کے دور تک مغل محل میں زندگی کے شب و روز گزارتی رہی۔ سیاسی مفادات کے علاوہ بابر کا ذاتی تعلق ملک شاہ منصور کے ساتھ بہت نمایاں رہا تھا۔ اپنی سوانح میں وہ بار بار اس کا ذکر کرتا ہے یہ ممکن ہے کہ اس کی نظر بہت پہلے سے بی بی مبارکہ پر تھی۔[۲۷]

ممکن ہے کہ اولف کیرو نے صرف *بابر نامہ* کی حد تک بی بی مبارکہ کے احوال جاننے کی کوشش کی ہو۔ اس کے برعکس گلبدن بیگم جو کہ ایک مغل خاتون ہونے کے ناطے شاہی خاندان کے اندرونی سیاسی اور دوسرے معاملات سے باخبر تھی اس نے بی بی مبارکہ کا جو احوال ذکر کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک مشہور و معروف مغل ملکہ کے طور پر ہمیشہ یاد رکھی گئی۔ بی بی مبارکہ کے مقام و مرتبے کے متعلق جمیل یوسف زئی لکھتا ہے کہ ملک سلیمان شاہ نے اس سے پہلے مغلوں کے ساتھ رشتہ داریاں قائم کی تھیں۔ مرزا الغ

بیگ سے ان کا تعلق اتنا گہرا تھا کہ اس نے اپنی بیٹی کی نسبت مرزا سے طے کر دی تھی۔ بی بی مبارکہ کی پیدائش بگیاڑہ کے مقام پر ہوئی جب یوسف زئی سوات پر دھاوا بولنے کیلئے تیاری کر رہے تھے۔ غالبًا مبارک فالی کی وجہ سے اس کا نام بی بی مبارکہ رکھ دیا گیا۔ شادی کے بعد وہ مغل حرم میں سب سے بڑے اعزاز ''بیگہ بیگم'' کی مالکن بن گئی تھیں۔۲۸

بی بی مبارکہ کو مغل تاریخی حوالوں میں ''افغان اغاچہ'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ گُل بدن بیگم نے اپنی کتاب *ہمایوں نامہ* میں بہت دفعہ اس کا ذکر افغان اغاچہ کے نام سے کیا ہے اور ان کو بہت عزت اور احترام کے ساتھ یاد کیا ہے۔ مغل-پختون تعلقات میں اس شادی کو ایک اہم سنگِ میل کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں اس رشتے کی وجہ سے بابر اس قابل ہوا کہ وہ آسانی کے ساتھ سرحدی قبائل کو زیر کر کے ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور پانی پت کی پہلی لڑائی (۱۵۲۶ء) میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر مغل سلطنت کی بنیاد رکھ دی تھی۔ اس شادی کے متعلق مغل اور پختون تاریخی مسودوں میں بہت معلومات ملتی ہیں۔ بی بی مبارکہ بابر کی دس بیویوں میں ایک وفادار پختون بیوی تھی۔ ان کی نگرانی میں ہی بابر کی لاش کو دہلی سے کابل لے جا کر دفنایا گیا تھا، کیونکہ بابر نے کابل میں دفن ہونے کی وصیت کی تھی۔۲۹

بی بی مبارکہ کی حیثیت، مرتبہ اور مغل ملکاؤں میں ان کا مقام بہت ہی قابل رشک اور بلند تھا۔ یہ اس بات پہ دلالت کرتی ہے کہ ان کی حیثیت ایک کنیز، سَورہ یا وانی کی نہیں تھی جیسا کہ کچھ لکھاری بیان کرتے ہیں۔ وہ بابر کی اتنی ہی قریب تھیں جس طرح ان کی دوسری مغل بیویاں تھیں۔ بڑے اور اہم معاملات میں ہمیشہ ان سے مشورے لیے جاتے تھے۔ انیتی ایس بیورتج *ہمایوں نامہ* کے انگریزی ترجمے میں لکھتی ہیں کہ کسی بھی تاریخی حوالوں میں یہ بات نہیں ہے کہ بی بی مبارکہ کی حیثیت کنیز کی تھی۔۳۰

بابر اپنے مہمات میں اپنے بیگمات کو ساتھ رکھتے تھے۔ بی بی مبارکہ سکری اور دولپور میں ان کے ہم راہ تھیں۔ جس کا ذکر ہمیں *ہمایوں نامہ* سے ملتا ہے۔ ۱۵۳۱ء میں ہمایوں کے دور کی ایک Mystic Feast کا ذکر کرتے ہوئے گل بدن بیگم لکھتی ہیں کہ دریا کے

کنارے ایک بڑا شاہی خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک Gold Embroid Divanبنایا گیا جس میں ہمایوں بادشاہ اور پیاری خواتین اکٹھے بیٹھ گئے تھے۔ان میں تمام شاہی بیگمات کا ذکر ہے جو مغل محل میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ افغان اغاچہ کا نام ان کی لسٹ میں نمایاں ہے۔۳۱

گل بدن بیگم آگے لکھتی ہیں کہ ہمایوں بادشاہ ایک دفعہ اپنے ساتھ قرآن شریف ہاتھ میں تھامے ہوئے محل میں غصے کی حالت میں داخل ہوئے۔ آتے ہی اس نے نوکرانیوں سے باہر جانے کو کہا۔ پھر اس نے دلدار بیگم، افغان اغاچہ، گلنار اغاچہ، نار گل اغاچہ کو بلا کر کہا کہ ہندال میری قوت ہے، وہ میری تلوار ہے، وہ میری آنکھوں کا نور ہے۔ میرے دل میں ان کیلئے کوئی غصہ نہیں ہے اور پھر اس نے قرآن شریف کو اپنے سر پر رکھ کر اپنی بات کا یقین دلانے کی کوشش کی۔ ہمایوں کی اس حرکت پرساری ملکائیں بول پڑیں کہ ہمیں یقین ہے آپ کی بات پر۔۳۲

گل بدن بیگم کے اس بیان سے یہ اندازہ بغیر کسی شبے کے ہو جاتا ہے کہ بی بی مبارکہ مغل محلات میں ایک اعلیٰ اور ارفع مقام پر فائز تھی۔ بابر ہمایوں اور اکبر ان کو گھریلو معاملات اور اہم سیاسی مہمات سے باخبر رکھتے تھے اور وہ خود بھی آخری عمر تک آگرہ اور دہلی کے محلات میں ہی رہی تھی۔ ڈاکٹر راحیل احمد صدیقی کے خیال میں جب ہمایوں بادشاہ شیر شاہ سوری کے ہاتھوں شکست سے دو چار ہوا، اس کے بعد وہ بھاگ کر فارس چلا گیا۔ بی بی مبارکہ اسی دوران دہلی میں ہی موجود تھی۔ شیر شاہ سوری کو تھوڑے عرصے کے بعد جب بابر کی وصیت کے بارے میں پتہ چلا تو اس نے بی بی مبارکہ کی اجازت سے انتہائی عزت کے ساتھ بابر کی قبر کشائی کی اور لاش کو بی بی مبارکہ کی سربراہی میں کابل دفنانے کی غرض سے روانہ کی۔ شاہی افواج کا ایک دستہ ان کی حفاظت پر مامور کیا تھا۔۳۳

بابر نے جب ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دہلی کے پایہ تخت پر قبضہ کیا تو ماہم بیگم (Mahim Begum) بی بی مبارکہ اور دوسرے مغل ملکاؤں اور شہزادیوں کو لے کر کابل سے آگرہ پہنچ گئی۔ اس کے بعد بابر بی بی مبارکہ اور اپنی دوسری ملکاؤں کے ساتھ

تھوڑے عرصے کیلئے (Sikri) سکری کی طرف آرام کرنے کی غرض سے چلے گئے تھے۔ خیال رہے کہ جب مغل خواتین کا قافلہ آگرہ کی اطراف میں پہنچ گیا تو بابر شہر سے چار کلومیٹر باہر ان کے استقبال کیلئے نکل آیا۔۳۴

۱۵۳۹ء میں جب ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ہندوستان سے بھاگ رہا تھا تو بابر کی لاش آگرہ میں دفن تھی۔ اس وقت ماہم بیگم مر چکی تھی۔ دلدار بیگم بہت کمزور ہو گئی تھی۔ گل رخ اپنے بیٹے کامران کے ساتھ ممکنہ طور پر کابل چلی گئی تھی کیونکہ مغلوں کی شکست کے بعد قنوج میں موجود یہ سارے لوگ اپنی جانیں بچانے کے فکر میں لگے ہوئے تھے۔

اسی دوران بی بی مبارکہ اپنے شوہر کی آخری وصیت پوری کرنے کیلئے آگرہ میں مقیم رہی، اور باقی تمام مغل ہندوستان چھوڑ کر جا چکے تھے۔ وہ آگرہ میں کسی مذہبی گھرانے کے ساتھ اس مقصد کیلئے رہ گئی تھی کہ بابر کے مقبرے کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اس کی لاش کو کابل منتقل کیا جا سکے۔ شیر شاہ سوری نے ان کو اجازت دے کر بابر کی لاش کو کابل لے جا کر دفن کیا گیا۔۳۵

گل بدن بیگم کے تحریر کردہ *ہمایوں نامہ* میں ہمیں یہ معلومات بھی ملتی ہیں کہ جب ۱۵۴۵ء میں ہمایوں نے اپنے بھائی کامران سے کابل کا پایہ تخت چھین لیا تو اس نے بیگہ بیگم Bega Begum سے کھانے کیلئے کچھ طلب کیا۔ اور ساتھ ہی بیگہ بیگم کے متعلق یہ کہا کہ انہی کی سرکردگی میں بابر کی لاش کو آگرہ سے کابل منتقل کیا گیا۔۳۶ اس کا مطلب ہے کہ بی بی مبارکہ مغلوں میں افغان اغاچہ کے ساتھ 'بیگہ بیگم' کے لقب سے بھی جانی جاتی تھیں۔

مندرجہ بالا دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ بی بی مبارکہ بابر کی موت کے بعد بھی ان سے بے پناہ عقیدت رکھتی تھی۔ اور ان کی کوشش ہی کی وجہ سے بابر کی دلی خواہش اور وصیت پوری ہو گئی تھی۔ تاریخی حوالوں سے ہمیں اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ آخری وقت تک ایک متحرک ملکہ کے طور پر زندگی گزارتی رہی۔ بلاشبہ سیاسی معاملات میں ان کا

زیادہ عمل دخل ہمیں نظر نہیں آ رہا۔ لیکن بابر کی ملکہ ہونے کے ناطے وہ مغل محل کے معاملات پر ایک حد تک اثر رکھتی تھی اور بابر کی ملکاؤں میں ان کا مقام اور مرتبہ بہت نمایاں تھا۔

سیاسی اور قبائلی اثرات

اس شادی کو بلا شبہ ایک "Marriage of Convenience" کہا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد بابر نے یوسف زئی قبیلے کے اندرونی معاملات اور ان کے مفتوحہ علاقے میں کبھی دخل نہیں دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یوسف زئی لشکر مغل فوج کا راستہ نہیں روکیں گے اور نہ ان پر حملہ کریں گے۔ سڑکوں اور شاہراہوں پر بھی نگرانی کریں گے اور ساتھ ساتھ چھ ہزار بوری غلہ بابر کی فوجوں کیلئے بھیجتے رہیں گے۔ ایک انگریز مؤرخ ولیم ارسکن Willian Erskin لکھتا ہے کہ بابر اور یوسف زئی قبیلے کے درمیان باقاعدہ طور پر ایک معاہدہ ہوا تھا جس کی روسے مغلوں نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ یوسف زئی کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دیں گے اور اس کے بدلے قبائلی لشکر مغل فوج کو پر امن طور پر سرحدی علاقوں سے گزرنے دیں گے اور انہیں دستیاب وسائل مہیا کریں گے۔ ساتھ ساتھ سالانہ ٹیکس کے طور پر بوری غلہ بابر کے لشکر میں بھیجتے رہیں گے۔[۳۷]

اس شادی کے بعد بی بی مبارکہ کا ایک بھائی میر جمال بابر کی فوج میں شامل ہوا اور ان کی ملازمت اختیار کی۔ ہمایوں اور اکبر کے دور میں میر جمال بڑے عہدوں پر کام کرتا رہا۔ تاریخی حوالوں میں ہمیں اس بات کے کوئی شواہد نہیں ملتے کہ یوسف زئی یا اُن کے اتحادی قبائل نے اجتماعی طور پر بابر کی ہندوستان مہم کیلئے لشکر فراہم کیا ہو۔ لیکن میر جمال کی بابر کی فوج میں شمولیت ممکنہ طور پر یوسف زئی سرداروں کی رضامندی سے ہوئی۔ ایک تو قبیلے کے سربراہان چاہتے تھے کہ بابر کے تمام معاملات، فتوحات، مہمات اور پالیسیوں سے باخبر رہیں اور کسی بھی قسم کی سازش کی صورت میں پہلے سے تیار اور چوکس رہیں۔ کیونکہ بابر کے لشکر میں پختون قبائل کے بہت سارے لوگ اور سرداران شامل تھے

اس حوالے سے مشہور پختون شاعر خوشحال خان خٹک کہتے ہیں:

بیاد پاسہ د دھلی بادشاہ بابر شو
چہ یہ کار دہ پختنو پہ برکت ووَ۳۸

یہ قبائلی سردار ہر وقت ساز باز میں مصروف رہتے تھے اور یوسف زئی کے خلاف بابر کے کان بھرتے تھے۔ یہ بات تو طے ہے کہ بی بی مبارکہ سے شادی کے باوجود بابر نے نہ قبیلے کو اس بات پر مجبور کیا کہ اجتماعی طور پر ان کے لشکر میں شامل ہو جائے یا سامانِ حرب فراہم کرے اور نہ ہی یوسف زئیوں نے ان کی فوج میں شامل ہونا پسند کیا تھا۔ میر جمال بابر کے ساتھ ہندوستان کی تمام جنگوں میں ساتھ رہا تھا۔ تاریخی حوالوں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ زیادہ تر ہندال، بابر کے چھوٹے بیٹے کے کیمپ میں رہتا تھا، اور ان کے بہت قریب تھا۔ ہمایوں بادشاہ جب ایران سے دوبارہ ہندوستان فتح کرنے کیلئے نکل پڑا تو پہلے اس نے اپنے بھائیوں کے ساتھ حساب چکانے کا فیصلہ کیا۔ غزنی میں ہندال کی موت کے بعد ان کے بہت سارے اُمراء ہمایوں کی فوج میں شامل ہوئے جس میں میر جمال بھی تھا۔۳۹

حاصل کلام

بی بی مبارکہ کی بابر کے ساتھ شادی کے جو بھی مقاصد تھے لیکن ایک بات طے ہے کہ اس رشتے کی وجہ سے بابر اور یوسف زئی دونوں کو سیاسی فائدے حاصل ہوئے۔ اگر ملک احمد خان، ملک قرہ، ملک شاہ منصور اور شیخ ملی مغلوں کے شر سے اپنا قبیلہ بچانا چاہتے تھے تو بابر کو بھی ہندوستان کی مہم کیلئے یوسف زئی اور دوسرے پختون قبائل کی مدد کی ضرورت تھی۔ باوجود اس کے کہ اس نے بہت سے سرحدی قبائل کو تلوار کے زور پر اپنا مطیع بنا لیا تھا لیکن اس کے ساتھ اس کو سرحدی علاقوں میں ایک ایسی مضبوط قوت کی ضرورت تھی جو کسی بھی ممکنہ شکست کی صورت میں اِس کو ہندوستان سے واپسی پر کوئی آسان اور بے خطر راستہ مہیا کر سکے۔ کیونکہ وہ کابل کی پایہ تخت کو بھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

بابر کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ یوسف زئی کے سوات، ملاکنڈ، چکدرہ اور

میدانی، (سمہ) علاقوں میں ہوتے ہوئے اس کیلئے سرحدی دروں، پہاڑی سلسلوں کو عبور کرنا اگر ناممکن نہ تھا تو مشکل ضرور تھا۔ بابر اپنے وقت کا ایک قابل سیاستدان ، فوجی کمانڈر اور ایک ماہر سفارت کار تھا۔ یوسف زئی کی فوجی قوت مقابلتاً بہت حد تک منظّم، پھیلی ہوئی اور عددی اعتبار سے مضبوط تھی۔ پھر وہ ایک مربوط قبائلی مشینری کے تحت کام کر رہی تھی۔ پہاڑی دروں اور قلعوں کی موجودگی اور پر خطر سنگلاخ راستوں میں ان کیلئے گوریلا کارروائیاں قدرِ آسان بھی تھیں۔ ان حالات میں بابر کے ذہن میں تھا کہ میدان میں یوسف زئی کو شکست دینے کے باوجود بھی مغل فوج کا گوریلا حملوں میں کافی نقصان ہو سکتا ہے، جس کا وہ کبھی متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ بابر اپنی افواج کو سرحدی قبائل اور ان کے ساتھ جنگوں میں نہیں گنوانا چاہتا تھا، لہٰذا اس نے ملک احمد اور ملک شاہ منصور کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اس کے بعد ان کے قبیلے پر کوئی تعرض نہیں کیا۔ دوسری اہم بات ان میں یہ تھی کہ ابراہیم لودھی یا کسی دوسرے ہندوستانی حکم ران سے ممکنہ شکست کی صورت میں ان کے پاس واپسی کا ایک محفوظ راستہ ہونا چاہیے تھا جس کے ذریعے وہ آسانی سے کابل پہنچ سکے۔ تمام سرحدی قبائل کو دشمن بنا کر وہ اس سہولت سے محروم رہتے جو مستقبل میں اس کیلئے دفاعی اور سیاسی حوالے سے بہت خطرناک ہو سکتا تھا۔ دہلی کی فتح کی صورت میں بھی بابر کابل کے پایہ تخت کو گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ کابل کے ساتھ اس کا ایک دلی لگاؤ بھی تھا اور جغرافیائی اور دفاعی اعتبار سے ان کا ہندوستان کی سلطنت کیلئے بہت ہی اہم بھی تھا۔

سیاسی مفادات کے علاوہ بابر کی بی بی مبارکہ میں اپنی دلچسپی بھی تھی۔ بی بی مبارکہ بابر کی ایک چہیتی بیوی تھی جو بہت حد تک اپنے شوہر پر اثر ضرور رکھتی تھی۔ اس لیے اس سارے تناظر میں کسی بھی لکھاری کیلئے بابر کا بی بی مبارکہ کو عید والے دن دیکھنا اور پھر اس کی محبت میں گرفتار ہونا یقیناً نظر انداز کرنا مشکل ہے کیونکہ پختون تاریخی روایات کے علاوہ مغل تاریخی کتابوں میں بھی اس کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

1. Quoted in Himayatullah Yaqubi, *Mughal-Afghan Relations in South Asia: History and Developments* (Islamabad: NIHCR, 2015), p. 58.
2. Zahir-ud-Muhammad Babur, *Babur-Nama* (Memoirs of Babur), Trst, Annette. S. Beveridge, (Lahore: Sang Meel Publications, 1975), p. 229.

۳۔ اللہ بخش یوسفی، *یوسفزئی پٹھان*،(کراچی:محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی، ۱۹۷۳ء)ص ۱۵۱۔

۴۔ پیر معظم شاہ، *تواریخ حافظ رحمت خانی: افغان قبائل اور ان کی تاریخ*،(پشاور: پشتو اکیڈمی، ۱۹۷۷ء) ص ۸۵۔

۵۔ شاہ منصور کا تعلق یوسفزئی کی ذیلی شاخ ملک زئی رزڑ مندڑ سے معلوم ہوتا ہے، صوابی کا موجودہ گاؤں شاہ منصور اس کے نام پر آباد ہوا ہے۔ یوسفزئی سرداروں میں یہ بابر کے ساتھ بہت نزدیک رہا اور ان کی کوششوں سے بابر کو یہ موقع ہی نہ ملا کہ وہ قبیلے کے خلاف کوئی مہم جوئی کر سکے۔

6. Zahir-ud-Din Muhammad Babur, *Babur Nama*, Appendices, An Afghan Legend, p. xxxvi.

۷۔ محمد شفیع صابر، *تاریخ صوبہ سرحد*(پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی، ۱۹۸۶ء) ص ۲۶۹۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ پیر معظم شاہ، *تواریخ حافظ رحمت خانی*، ص ۹۱۔

۱۰۔ محمد شفیع صابر، *تاریخ صوبہ سرحد*، ص ۲۷۰۔

۱۱۔ پیر معظم شاہ، *تواریخ حافظ رحمت خان*، ص ۱۲۶۔

12. Zahir-ud-Din Muhammad Babur, *Babur Nama,* Appendices, An Afghan Legend, p. 375.

۱۳۔ محمد شفیع صابر، *تاریخ صوبہ سرحد*، ص ۲۷۰۔

۱۴۔ عبدالرحیم بختانی، *بابر او بختانہ*، (پشاور: دانش پبلیکیشن ہاؤس، ۲۰۰۷ء) ص ۷۰۔

15. Major H.G. Roverty, *Notes on Afghanistan and Balochistan* (Quetta: Gosha-e-Adab, 1976), pp. 234-234.

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۳۵۔

۱۷۔ ایضاً، ۷۶۔

۱۸۔ روشن خان، *ملکہ سوات* (صوابی: ۱۹۸۳ء) ص ۴۳۔

19. Babur Nama, p. 411.

۲۰۔ عبدالرحیم بختانی، بابر او ښختانہ، ص ۷۷۔

۲۱۔ محمد شفیع صابر، تاریخ صوبہ سرحد، ص۲۷۰۔

22. Zahir-ud-Din Muhammad Babur, *Babur Nama,* Appendices, An Afghan Legend, pp. 372-374.

23. *Ibid.*, p. 229.

۲۴۔ عبدالرحیم بختانی، بابر اور ښختانہ، ص ۳۹۔

25. Abul Fazal, *Akbar Nama,* Vol I, English Translation by H. Beveridge (Lahore: Book Traders, n.d), p. 236.

26. Zahir-ud-Din Babur, *Babur Nama,* p. 376.

27. Olaf Caroe, *The Pathans* (London: *Macmillon* and Company, 1958), p. 160.

۲۸۔ جمیل یوسفزئی، یوسفزئی تہذیب:(سولہویں صدی میں)،(صوابی:۲۰۱۶ء)ص۲۲۵۔

29. Himayatullah Yaqubi, *The Forgotten Queen of Babur, The News on Sunday*, September 11, 2016.

30. Gulbadan Begum, *Humayun Nama*, p. 91, notes.

۳۱۔ گلبدن بیگم، ہمایوں نامہ، ص ۱۳۲۔۱۱۸۔

۳۲۔ ایضاً، ص ۱۳۹۔

۳۳۔ ڈاکٹر راحیل احمد صدیقی، چیئر مین پنجاب ریونیو اتھارٹی۔تبادلہ ای میل مصنف کے ساتھ۔

34. Zahir-ud-Din Muhammad Babur, *Babur Nama,* p. 689.

35. Gulbadan Begum *Humayun Nama,* p. 216-217.

۳۶۔ ایضاً۔

37- Quoted in Himayatullah Yaqubi, *Mughal-Afghan Relation in South Asia,* p. 195.

۳۸۔

39. Abul Fazal, *Akbar Nama,* Vol I, English Translation by H. Beveridge (Lahore: Book Traders, n.d), p. 587.

☆☆☆